Vol. 4 No. 1 (2026)

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895
https://llrjournal.com/index.php/11

اردو زبان کے آغاز و ارتقا میں صوفیائے چشت کا کردار

THE ROLE OF CHISHTI SUFIS IN THE ORIGIN AND DEVELOPMENT OF THE URDU LANGUAGE

رانا مظہر اقبال ساقی *
پی ایچ ڈی اسکالر (اُردو) مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد
ranamazharsaqi@gmail.com
ڈاکٹر محمد مسعود الحسن بدر
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو ، مسلم یوتھ یونیورسٹی، اسلام آباد
hassanmasood43@gmail.com

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895

DOI: http://doi.org/10.5281/zenodo.21352089

Abstract

The Chishti Sufi order played a significant role in the development and promotion of Urdu language in the Indian subcontinent. Through their spiritual teachings, literary contributions, and close interaction with the common people, the Chishti saints helped bridge the gap between elite and popular cultures. Unlike scholars who primarily used Arabic and Persian, the Chishti Sufis adopted local languages and dialects to communicate their message effectively. This practice contributed to the emergence and growth of a common linguistic medium that later evolved into Urdu.

This study explores the contribution of the Chishti Sufis to the origin and evolution of the Urdu language. It examines the role of prominent Chishti saints, particularly Baba Farid, Khwaja Moinuddin Chishti, Nizamuddin Auliya, and Amir Khusrau, in promoting linguistic and cultural interaction. The study further analyzes the impact of Chishti teachings, Sufi literature, malfuzat, and poetry on the formation of Urdu vocabulary, style, and literary expression. Drawing upon historical and literary sources, the article argues that the Chishti Sufis not only facilitated the spread of Urdu among the masses but also enriched its literary and cultural foundations. Their contributions played a vital role in transforming Urdu into a vibrant language of communication, spirituality, and literature in South Asia.

Keywords: *Chishti Sufis, Urdu Language, Indian Subcontinent, Data Ganj Bakhsh Ali Hajwairi, Baba Farid, Sufi Literature, Language Development, Urdu Literature.*

ہندوستان میں صوفیاء کی آمد کا سلسلہ مسلمانوں کے حملے اور ان کی فتح کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ خواجہ ابو اسحق گارزونیؒ کے مرید شیخ صفی الدین حقانی گارزونیؒ نے بہاولپور، پاکستان میں آکر مذہب اسلام کی تبلیغ کی۔

برصغیر میں صوفیاء کی آمد سب سے پہلے سندھ اور ملتان میں ہوئی، اس کے بعد لاہور صوفیاء کا اہم مرکز بنا۔ تاریخی کتب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں آنے والے پہلے صوفی شیخ ابو علی السندھی آٹھویں صدی عیسوی میں سندھ میں آئے۔[i] اس کے بعد شیخ اسماعیل لاہوری، جو محمود غزنوی کے دور میں 1005ء میں لاہور آئے۔ ان کے آنے کے بعد لاہور میں صوفیاء اور علماء کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

سلطان محمود غزنوی کی ہندوستان پر فتح کی مہم کے دوران ہی شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخشؒ نے پنجاب میں آکر مذہب اسلام کا پیغام پہنچانے کا کام شروع کر دیا تھا اور کچھ وقت کے بعد انھوں نے لاہور کو اپنا مرکز بنالیا۔ شیخ علی ہجویری داتا گنج بخشؒ نے تصوف کے فروغ کے لیے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ کشف المحجوب، کشف الاسرار اور منہاج الدین۔ یہ کتابیں اس وقت تحریر کی گئیں جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی عوارف المعارف، اور ابن عربی کی فصوص الحکم ابھی تحریر نہیں کی گئی تھیں۔ تصوف کی دنیا میں ان کی تصنیفات نے اہم کردار ادا کیا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات 1072ء میں ہوئی اور لاہور میں ہی دفن کیے گئے۔

داتا گنج بخش لاہوری کے بعد ہندوستان میں آنے والے مشہور صوفی سلطان سخی سرورؒ ہیں، جن کا نام سید احمد تھا۔ انھوں نے برصغیر میں اردو زبان وادب کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ ان کی وفات 1181ء میں ہوئی اور پنجاب کے علاقہ شاہ کوٹ میں دفن کیے گئے۔[ii] ان کے بعد

Liberal Journal of Language & Literature Review
Print ISSN: 3006-5887
Online ISSN: 3006-5895

بزرگانِ دین تسلسل کے ساتھ برِ صغیر میں تشریف لائے ان میں سب سے اہم نام سلسلہ چشتیہ کے سر خیل حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہے۔

خواجہ معین الدین چشتیؒ سے پہلے ہی ہندوستان میں صوفیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا اور یہاں پر اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بھی پنجاب، ملتان اور لاہور میں شروع ہو چکا تھا۔ لیکن ہندوستان میں پختہ اور منظم طریقے سے کام کرنے کا افتخار خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کو ہی حاصل ہو سکا، جنھوں نے غوری کی فتح کے ساتھ ہی اجمیر میں اپنا کام منظم طریقے سے کرنا شروع کر دیا، اور ایک ایسی تحریک کی بنیاد ڈالی جس نے ہندوستان میں 18 ویں صدی عیسوی تک اپنے عروج پر پہنچ کر ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کے پیغام کو عوام تک پہنچانے کا کام مکمل کر دیا۔

جس وقت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اجمیر میں آکر دین اسلام کی تبلیغ شروع کی، اس وقت ہندوستان کی سیاسی و سماجی حالت نہایت ابتر تھی۔ عوام کو اپنے بادشاہ سے کوئی محبت نہیں تھی۔ دولت اور اقتدار کی ہوس میں ایک ریاست دوسری ریاست پر حملہ آور تھی، اور ہر وقت ایک دوسرے کا سرمایہ لوٹنے کے فراق میں رہتے تھے۔ لوٹ پاٹ اور عدم تحفظ کا احساس پورے سماج کے ذہن و دماغ پر غالب تھا۔ ذات پات کا فرق پورے ہندوستانی معاشرے کی شناخت بن چکا تھا۔ انسانیت کا احترام گم ہو چکا تھا۔ ایسے حالات میں خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیر تشریف لائے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے بہتر سلوک اور معجزاتی زندگی، دین اسلام کی انسان دوستی، احترام اور مساوات کی تعلیم نے ہندوستانی معاشرے پر جادو کی طرح اثر کیا۔ نتیجتاً پورا ہندوستانی معاشرہ جو سماجی ناہمواری کی وجہ سے نہایت ابتر حالت میں تھا، اسلام مذہب قبول کرتا چلا گیا۔ اس طرح خواجہ معین الدین چشتیؒ نے غیر انسانی حرکات سے متاثر معاشرے کو انسانیت پر مبنی باوقار زندگی جینے کا موقع فراہم کیا۔
اتنا ہی نہیں، ان نو مسلموں کو اپنی خانقاہ میں تعلیم و تربیت فراہم کرنے کا کام بھی شروع کیا۔ ان کی خانقاہ میں ہمہ وقت ایک ہجوم لگا رہتا تھا۔ انھوں نے اپنے عام تعلیمی مرکز سے علم کی شمع روشن کر کے اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچایا۔

خواجہ اجمیریؒ نے اپنے مریدوں کو اسلام کی تعلیمات سے آشنا کر کے، انھیں اپنا خلیفہ بنا کر مختلف مقامات پر اس کام کو ایک تحریک کی شکل میں پھیلانے کی کوشش بھی کی۔ ان کے خلفاء میں اہم اور سب سے مشہور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ہیں۔[iii]

اردو کی ابتدائی نشوونما اور صوفیائے کرام کی خدمات مسعودی کا جہاں تک تعلق ہے تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس کی آبیاری میں سلسلہ چشتیہ کے صوفیائے کرام کا بڑا ہاتھ ہے اور اردو کے نقوشِ اولین ان ہی صوفیائے کرام کے مرہون منت ہیں۔ دیارِ ہند میں صوفیائے کرام رشد و ہدایت، تزکیہ روحانی، خلوص و محبت اور اخلاق و دانش کے ذریعے عوام کے دلوں کو فتح کر رہے تھے۔ وہ عوام کو وعظ و نصیحت بھی کرتے تھے۔ ان کے پند و نصائح میں صداقت ہوتی جو لوگوں کے دلوں پر نقش ہو جاتے اور وہ گرویدہ ہو کر ان کے دامن سے وابستہ ہو جاتے۔ اسی طرح ان کے طور طریقے اور زبان پر بھی اثر پڑتا۔ یہی اسباب اردو کی ابتدائی نشوونما کے لئے ساز گار ہوئے، ڈاکٹر اعجاز حسین نے اپنی تصنیف میں اس طرح روشنی ڈالی ہے۔[iv]

"جس وقت اردو کی تخلیق ہو رہی تھی، ملک میں مذہبی فضا ہر شعبہ زندگی پر حاوی تھی۔ سلطنت چاہے کسی کی رہی ہو مذہب اس کے آگے سر جھکائے ہوئے تھا، اس کی آنکھ سے دنیا کی ہر چیز بکھری جا رہی تھی۔ اسلام مغرب اور مشرق کے اکثر گوشے چھان کر ہندستان میں اپنا جھنڈا گاڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مسلمان بادشاہوں نے تبلیغِ اسلام کے لئے منظم کام نہیں کیا۔ فقراء اور علماء نے البتہ اشاعتِ اسلام میں کافی حصہ لیا۔

جہاں کہیں بھی پہنچ سکے مذہب کی ترویج دل کھول کر کی اور اسی سلسلے میں اردو کو بھی آگے بڑھنے کا موقع ہاتھ آتا رہا۔ چنانچہ شمال یا جنوب جہاں بھی اردو کی قدیم تصنیف یا تالیف دستیاب ہوتی ہے وہ مذہب ہی کی آوردہ معلوم ہوتی ہے۔[v]

دوسری وجہ اردو کی نشوونما کی یہ ہے کہ صوفیائے کرام کی غرض وغایت رشد وہدایت اور تبلیغِ اسلام تھی اس لئے ان کا تعلق خواص سے زیادہ عوام سے تھا۔ عوام تک رسائی سے تھا، عوام تک رسائی کے لئے خدمت خلق کے ساتھ ساتھ ان کی زبان کا بھی جاننا ضروری تھا کیونکہ وہ عوام ہی کی زبان میں تبلیغِ اسلام کرتے اور ان کی زبان کو اپناتے۔ اس طرح عوام کی زبان کے الفاظ، جملے اور فقروں کی شکل میں زبانِ فیض تر جان سے صادر ہوتے اور یہی بھاشا اور ان کی زبان کا اختلاط تھا جس سے عوام زیادہ سے زیادہ ان کے ارشادات کو سمجھ سکے اور ان کے فیوض و برکات سے فیض یاب ہو سکے۔ اس لئے صوفیائے کرام نے مقامی بھاشا کو گلے لگایا اور یہی بھاشا آگے چل کر اردو کی شکل میں جلوہ گر ہوئی۔[vi]

یہ بھی حقیقت ہے کہ اردو ادب میں ہمیں صوفیت کی روایت ان بزرگانِ دین کے تربیتی و اخلاقی دوہے وغیرہ میں ملتی ہے جو بھاشا کے لباس میں ملفوظ ہیں اور انہیں اردو کے نقوشِ اولیں کہا جاتا ہے۔ یہ فقرے زبان کی ارتقا میں معاون ضرور ہوئے ہیں اور ان ہی میں کچھ صوفیانہ اور اخلاقی نکتے بھی مل جاتے ہیں۔ مثلاً حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے نام کا یہ فقرہ قابلِ توجہ ہے کہ آپ کے مشہور مرید و خلیفہ حضرت جمال الدین ہانسویؒ تھے جن کی کنیز مادر مومناں کے نام سے مشہور تھیں۔ جب قطب جمال ہانسویؒ کا انتقال ہو گیا تو آپ کے چھوٹے صاحبزادے مولانا حضرت برہان الدین سوگیؒ کو مع مصلح اور عصا، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں لے گئیں۔ آپ نے حضرت برہان الدین سوگیؒ کو بیعت سے مشرف کر کے اسی مصلیٰ اور عصا کے ساتھ خلافت نامہ عطا فرما کر آپ کو واپس کر دیا اس وقت حضرت نظام الدین اولیاؒ بھی موجود تھے۔[vii] مادر مومناں نے یہ دیکھ کر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے یہ عرض کیا ''کہ خوج بالا است" آپ نے جواب میں ارشاد فرمایاؒ "کہ مادر مومناں پونوں کا چاند بال ہوتا ہے"۔ مراد یہ کہ بالا وہ ہے جو روحانی طور پر تاباں ہے جیسے پونم کا چاند ہوتا ہے۔[viii]

شمالی ہند میں صوبہ بہار کی بھی خاص اہمیت ہے۔ یہاں کے صوفیائے کرام نے بھی اردو زبان و ادب کی آبیاری میں ابتدا ہی سے حصہ لیا ہے۔ چنانچہ صوبہ بہار کے عظیم المرتبت صوفی بزرگ حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مقولے "دومرے کنج مندرے، فالنامے "وغیرہ مشہور ہیں۔ اور اس میں تصوف کے نکات بھی ہیں۔ آپ کے ملفوظ معدن المعانی نہیں وہ جوابی کڑا" پیس بھلا پر دور ایک مرید کے مقولے باٹ بجلی پر سانکری کا جواب تھا۔ یہ فقرہ اس طرح ہے بات بھلی پر سانکر کا دیس بھلا پر دور یعنی راستہ راہ سلوک تو اچھا ہے لیکن تنگ دشوار گزار ۔ دوسرے فقرے کا مفہوم یہ ہے کہ دیس (منزلِ مقصود) بہتر تو ہے لیکن بہت دور ہے۔ اس کے علاوہ فالنامہ مخدوم، مخطوطہ شام میں بھی تصوف کے نکات ملتے ہیں۔ آپ کے مرید و جانشیں مخدوم جہاں حضرت متوفی سنت کے مکاتیب میں بھی مختلف دوہے ملتے ہیں۔

حضرت مخدوم جہاں کے خالہ زاد بھائی حضرت مخدوم احمد چرم پوشؒ متوفی المسلم سلسلہ سہروردیہ کے مشہور بزرگ ہیں۔[ix] آپ فارسی کے صوفی شاعر بھی تھے۔ آپ کا ایک ہندی دوہا بر ضیاء القلوب میں موجود ہے۔ آپ نام و پارسا کا فرق بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

بیتا من نمونیہ شرونی کہاہوئے

انہیں سیدھا بیدمان سرنہ کیتی کوے[x]

مونس القلوب از حضرت احمد لنگر دریا بلخیؒ (ششم تارشتہ) میں ہے کہ جب مظفر بلخی نے دن میں اور رات میں حضرت مخدوم جہاں قدس سرہ نے انتقال فرمایا اسی رات مولانا منظف باللہ نے خواب دیکھا کہ حضرت مخدوم جہاں یہ دوہا پڑھ رہے ہیں:۔

آئیں رات سہانیاں

جن کارن دھکا کھائیاں[xi]

یعنی وہ سہانی رات آگئی جس کے لئے میں نے اتنے دھکے کھائے۔ حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ، آپ حضرت بہاو الدین زکریاؒ ملتانی کے پوتے حضرت رکن الدینؒ کے مرید و خلیفہ تھے۔ آپ کا ایک ہندی مقولہ حضرت قاضی علامہ شطارؒ کے ملفوظ "معدن الاسرار" میں درج ہے۔اس میں ایک واقعہ ہے کہ کسی نے مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ وہی اور اد و اعمال ہیں جو وہ بھی پڑھتا ہے اور کرتا ہے جو خود حضرت مخدوم جہانیاں بھی کرتے ہیں۔ لیکن اس کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس پر حضرت مخدوم جہانیاںؒ نے جواب دیا "کھنداہے پھنداکہاں" اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ گڑھا تو ہے اور اس میں مچھلیاں بھی ہیں لیکن جال نہیں ہے۔یعنی تزکیہ نفس اور جاذب صادق رجوع الی اللہ کے لئے ضروری ہے۔

بزرگوں کے اس قسم کے بہت سے اقوال جو ہندی دوہوں اور صاف کھڑی بولی کے عملاً و مکاتیب میں موجود ہیں۔ جیسے لطائف اشرفی محفوظ حضرت جہاسیر سمنانیؒ ہیں۔ حضرت عبد القدوس گنگوہیؒ کے مکاتب میں نقد و بند کی فقہ رہیں اور انکی کتاب مرشد نامہ میں تو ایسے ہندراگوں کی طرز پر ان کی زبان مبارک سے متعدد فقرے ادا ہوتے ہیں یہ سب چیزیں ہندوستان کی ایک مشترک زبان کی نشوونما کی نشاندہی کر رہی ہیں اور یہ دلیل قطعی اس بات کی ہے کہ تبلیغ و اشاعت اور باہمی میل جول کی فضا تیار کرنے کے لئے ان بزرگوں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن یہ فقرے منتشر اور غیر مربوط ہیں۔ بعض بزرگوں نے تو چھوٹے چھوٹے رسالے نظم و نثر میں لکھ ڈالے تاکہ دین کی ضروری باتیں اور تصوف کے نکات عوام کے ذہن نشیں ہو جائیں بعض صوفیوں نے مذہبی رسالے لکھے ہیں۔ جن میں یا تو اسلامی صوفیاء کے تربیت کے نکتے ملتے ہیں یا اسلامی عقائد پیش کئے گئے ہیں۔ یہ رسالے مربوط نثر میں ہیں۔ حکیم شمس اللہ قادری نے اپنی تصنیف میں شیخ عین الدین گنج العلم (متوفی کے رسالہ العلم کو تو اردو نثر کا سب سے پہلا کارنامہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے) اور ان ہی کی ہمنوائی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے بھی کی ہے۔ لیکن حامد حسن قادری نے اپنی تصنیف میں اردو نثر کی پہلی تصنیف حضرت مخدوم سید اشرف سمنانیؒ کے ایک اردو رسالہ کو قرار دیا ہے جو تصوف اور اخلاق پر لکھا گیا ہے۔ جدید تحقیق کی بنیاد پر حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ کے رسالہ جنونیہ کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ رسالہ بیجاپور کے سرکاری عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ محترمہ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اپنی تحقیق کے سلسلے میں اس کا انکشاف کیا ہے۔ اس رسالہ میں اردو مقولوں کی تشریح فارسی میں کی گئی ہے۔[xii]

اسلام کی بنیاد محض چند رسم و روایات پر نہیں ہے بلکہ کچھ ٹھوس عقائد اور محکم ایمانیت کی بنیاد پر جو ہمہ گیر طرز فکر و عمل کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے اس کا نام اسلام ہے، تصوف اس سے متعلق ہے، جہاں تک مراسم و روایات کا تعلق ہے بلاشبہ اسلام کے تعلق سے بھی یہ چیزیں موجود ہیں اور صدیوں کے توارث کے تحت اس سخن میں بھی ایک بڑا ذخیرہ اردو زبان و ادب میں موجود ہے نظم میں بھی اور نثر میں بھی۔ اسلامی تصورات اور تصوف کی بڑی زبردست چھاپ اردو شاعری پر پڑی ہے، اسلامیت اور تصوف کی روحانی اقدار نے اردو شاعری کو بڑا متاثر کیا ہے، لہذا اردو شاعری کا بیشتر حصہ تصوفانہ اخلاق اور روحانی اقدار پر مشتمل ہے، انہی قدروں نے اردو شاعری سے ابتدال دور کر کے پاکیزگی پیدا کی۔[xiii]

کائنات آئینہ حقیقت ہی نہیں بلکہ پردہ حقیقت بھی ہے ذات کی نمود صفات کی صورت میں دعوتِ نظارہ دے رہی ہے، جو حسنِ مطلق کے درمیان حائل نہیں ہوئی ہے۔ آرائش جمال میں کثرتِ انوار حجاب کا کام کرتی ہے جس میں مصلحتِ خداوندی کا راز ہے۔ اگر ذاتِ واحد اپنے اصلی

روپ میں نمایاں ہو جائے تو صفات میں اس کے جلوے کی مجال نہیں کہ تجلیاتِ حقیقی کو دیکھ سکیں، اسی باعث گونا گوں پردے بے شمار مناظر بن کر مخلوق کیلئے سامانِ وجد مہیا کرتے ہیں۔[xiv]

کائنات مظہرِ صفات ہونے کے اعتبار سے آئینہ ذات ہے جس میں شاہد خود ہی اپنا جلوہ دیکھتا ہے، ذات کا جلوہ دنیا کی ہر چیز سے ظاہر ہے۔[xv]

اس لئے کائنات آئینہ داری کر رہی ہے، شش جہات کا عالم آئینہ خانے کا سا ہے جس طرف بھی نگاہ اٹھائیں ذات کا جلوہ نور عکاسی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ کائنات کا فی الحقیقت کوئی وجود نہیں لیکن بظاہر یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کا وجود ہے، وجودِ کائنات کا یہ احساس پردہ داری کے کام آتا ہے، جو ہمارے احساس کو بیدار کر کے اختلاف در اختلاف کو راہ دیتا ہے۔ جس کے باعث کائنات وجود پذیر معلوم ہونے لگتی ہے، جب کائنات کے وجود کا احساس ہوتا ہے تو پردے بھی اپنے اپنے روپ ہو کر سامنے آجاتے ہیں جن کو شکل و صورت، حسن و جمال، آرائش، زیبائش وغیرہ سے مرئی یا غیر مرئی، مادی یا غیر مادی تجزیہ و تحلیل کے بعد کسی نہ کسی طرح مفروضات کی منازل سے گذر کر بالآخر موسوم کرنا ہی پڑتا ہے۔ آئینے میں عکس ہی عکس نمودار ہوتا ہے لیکن آئینہ کائنات میں جو عکس اترا، وہ تشخیص پذیر ہو گیا، جس کے سبب سے عکس اصلی مشاہد نہیں معلوم ہوتا، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ دیکھنے والا اور ہے اور نظر آنے والا اور، دیکھا اس نے ظاہر ہوئے ہم ۔ انانیت جو احساسِ غیریت سے پیدا ہوتی ہے انسان کا وجود ہے۔

تصوف سراپا ادب ہے۔ ہر وقت اور ہر مقام کے لئے مخصوص ادب ہوتا ہے جو ادب کو اختیار کرتا ہے وہ مردِ کامل کے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جو ادب سے محروم رہے وہ مقامِ قرب سے دور اور مقامِ قبول سے مردہ ہو جاتا ہے۔[xvi]

خدا نے رسول کریم ﷺ کے صحابہ کو ادب سکھانے کے لئے قرآن میں فرمایا کہ رسول ﷺ کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کیا کریں۔ قرآن میں ہے (قوا انفسکم وأھلیکم نارا) (۲:۲۶) ترجمہ: ”تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ “اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: ”تم انہیں دین کی تعلیم دو اور ادب سکھلاؤ“۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ مجھے پروردگار نے اچھی طرح ادب سکھلایا۔ حضرت جنید بغدادیؒ کا ارشاد ہے:

”جو نفس کو اسکی خواہش پر مدد پہنچائے وہ اس کے فعل میں شریک ہے۔ کیونکہ بندگی کے لئے ادب ضروری ہے اور سرکشی بے ادبی ہے۔“

حضرت جابر بن سمرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”اگر آدمی اپنے لڑکے کو ادب سکھائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ ایک صاع (وزن کا نام) کی مقدار میں صدقہ دے۔“

حضرت شیخ ابن عطا کا قول ہے ۔ "ادب یہ ہے کہ تم پسندیدہ باتوں کی حد پر رہو۔ ظاہر و باطن دونوں حالتوں میں ادب اختیار کرنا ضروری ہے"[xvii]۔

دینی و صوفیانہ نثر میں چشتیہ رنگ برصغیر کی فکری و ادبی روایت کا نہایت اہم پہلو ہے۔ چشتیہ صوفیاء نے اپنی تعلیمات کی اشاعت کے لیے جس نثری اسلوب کو اختیار کیا، وہ سادگی، اخلاص اور تاثیر سے بھرپور تھا۔ ان کی نثر میں نہ صرف مذہبی تعلیمات کی وضاحت ملتی ہے بلکہ انسانی محبت، رواداری اور اخلاقی اقدار کا گہرا شعور بھی نمایاں ہوتا ہے۔

چشتیہ بزرگانِ دین، خصوصاً حضرت نظام الدین اولیاءؒ اور بابا فرید گنج شکرؒ نے اپنے ملفوظات اور ارشادات کے ذریعے ایک ایسی نثر کو فروغ دیا جو عام فہم ہونے کے ساتھ دل پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ دینی و صوفیانہ نثر میں چشتیہ رنگ ایک مستقل روایت کی صورت اختیار کر گیا، جس نے اردو نثر کی تشکیل و ارتقاء میں بنیادی کردار ادا کیا۔ قدیم ادبی سرمایہ میں نثر کے مقابلے میں نظم کا حصہ بہت زیادہ ہے لیکن نثر کا دامن کچھ ایسا محدود اور غیر معیاری بھی نہیں۔ یہ ضرور ہے کہ قدیم سرمایہ ادب کا بڑا حصہ مذہب، تصوف اور اخلاقیات پر مشتمل ہے اردو کی ابتدا شمالی ہند میں ہوئی لیکن عرصہ تک بول چال کی سطح سے آگے نہ بڑھ سکی لہٰذا ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری میں کوئی ایسی تصنیف نہیں ملتی جسے ہم ادبی تخلیق کہہ سکیں۔ صوفیا کے اقوال، فقرے یا چند مختصر مذہبی رسائل کو بنیاد بنا کر زبان کا تجزیہ نہیں کیا جا سکتا یہ جملے اور فقرے صرف ابتدائی کڑیوں کی طرف نشاندہی کرتے ہیں جس سے زبان کی ارتقائی منزلوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ زبان کے تجزیہ سے بہت سے جملے اور فقرے جو بزرگوں سے منسوب کیے جاتے ہیں ان میں سے بعض پچھلے لوگوں کے ہیں اور بعض کے متعلق وثوق سے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کس کے ہیں، ہو سکتا ہے کہ یہ بھی محض محبت اور عقیدت کی بنا پر ان سے منسوب کر دیے گئے ہوں۔[xviii]

مولانا محمد حسین آزاد کے اس بیان سے انکار ممکن نہیں کہ عرصہ تک نظم کی طرح نثر کی اولیت بھی دکن سے منسوب کی جاتی رہی۔[xix] آزاد کے بیان کو حافظ محمود شیرانی[xx] کی تحقیق نے سہارا دیا چنانچہ محمد حسین آزاد اور مولوی عبدالحق کے ساتھ اکثر مورخین و ناقدین نے اس بیان کو تسلیم کر لیا اور عام طور پر اس خیال کی تائید کی جانے لگی کہ اٹھارہویں صدی سے پہلے شمالی ہند میں نثر کا کوئی وجود نہیں تھا۔ جدید تحقیق نے ان بیانات کی تردید کر دی لیکن یہاں اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ زبان کا مولد تو شمال ہے لیکن سیاسی تہذیبی تقاضوں کے تحت اس نے ادبی زبان کا درجہ شمالی ہند سے صدیوں پہلے گجرات و دکن میں حاصل کر لیا۔[xxi] ابتدائی زبان کے نقوش شمالی ہند میں دستیاب ہوئے ہیں لیکن زبان کی ترقی کے سلسلے میں جو سیاسی اور سماجی عوامل درکار ہوتے ہیں وہ شمال کے مقابلے میں جنوب میں زیادہ حاصل تھے شمالی ہند میں فارسی زبان اور ادب کا بول بالا تھا چنانچہ اہل علم، فارسی میں دادِ سخن دیتے تھے۔ عوامی سطح پر اس زبان کا چلن تھا لیکن دربار و سرکار میں اس کا گزر نہ ہو سکا بر خلاف اس کے دکن میں صوفیا کرام کی سرپرستی، عوام کی محبت اور دربار و سرکار میں قدر و منزلت بھی حاصل ہو گئی اس سلسلے میں فتح گجرات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علاوالدین خلجی نے گجرات کے مفتوحہ علاقہ کو سو سو گاؤں میں تقسیم کر کے انتظامی حلقے بنا دیے اور ہر حلقے میں شمالی ہند کا ایک امیر متعین کر دیا جس کو امیرِ صدہ کہتے تھے۔ امیرانِ صدہ کے خاندان کے ساتھ مقربین اور خادمین بھی گجرات کے مختلف علاقوں میں آکر آباد ہو گئے اور بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

”اس انتظامی ضرورت کے تحت بے شمار ترک خاندان اپنے متوسلین کے ساتھ گجرات کے طول و عرض میں آباد ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ اردو زبان کی جڑیں بھی سارے علاقے میں پھیل گئیں۔ اس تمام عرصے میں گجرات اور سلطنتِ دہلی کے دوسرے علاقے آنگن بنے رہے اور ہر علاقے میں صوفیا کرام اہل علم و ادب اور تجارت پیشہ لوگ یہاں آتے رہے۔ سو سال کے عرصہ میں صورت حال یہ ہو گئی کہ یہاں اردو زبان عام زبان کے طور پر بولی اور سمجھی جانے لگی۔“[xxii]

شمالی ہند سے گئی ہوئی ابتدائی زبان گجرات کی مقامی زبان کے اثرات قبول کر کے گجراتی کہلانے لگی۔ زبان کے یہی ابتدائی نقوش دکن کے دوسرے علاقوں میں پہنچ کر دکنی کہلائے۔ علاؤالدین خلجی کی فتح گجرات سے پہلے بزرگان دین دکن کے مختلف علاقوں میں شمع ہدایت روشن

کر رہے تھے جن میں حاجی رومیؒ، سید شاہ مومنؒ، بابا سید مظہر عالمؒ، بابا شرف الدینؒ اور بابا شھاب الدینؒ کا نام اکثر تاریخوں اور تذکروں میں پایا جاتا ہے۔[xxiii]

اسی عہد کے ایک اور بزرگ مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ قطب عالم شاہ کی خدمات بھی قابل ذکر ہیں۔ دوسرے بزرگوں کی طرح آپ کے اقوال اور ارشادات بھی ادبی تاریخوں میں بار بار نقل کیے جاتے رہے ہیں۔ آپ حضرت شاہ راجو قتالؒ کے حقیقی بھائی تھے جو امام عبد اللہ شافعیؒ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے ساتھ زیارتِ حرمین شریف میں شریک ہوئے انھوں نے نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے متعلق آپ سے فرمایا کہ "چراغ دہلی است" آپ کئی بار دہلی تشریف لائے اور جب فیروز تغلق ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا "کا کا فیروز چنگا ہے۔"[xxiv] اس کے علاوہ ان کا یہ جملہ بھی نقل کیا جاتا ہے "کھانڈا ہے بھانڈا کہاں؟" یعنی خندق تو موجود ہے اس سے نکلنے کا ذریعہ کہاں ہے۔ ان کے بعد قطب عالم متوفی کے اقوال سامنے آتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک روز آپ نمازِ تہجد ادا کرنے اٹھے تو صحن میں پڑی ہوئی کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور بے ساختہ یہ جملہ زبان سے نکلا جس کو مختلف لوگوں نے مختلف طریقے سے لکھا ہے۔

لوہا ہے کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے۔[xxv]

لوہا ہے لکڑ ہے یا پتھر ہے یا کیا ہے۔[xxvi]

کیا ہے لوہا ہے یا لکڑ ہے یا پتھر۔[xxvii]

ان تمام واقعات کی روشنی میں یہ بات روزِ روشن کی طرح نکھر کر سامنے آتی ہے کہ برصغیر پاک وہند میں اردو زبان و ادب کے فروغ میں سلسلہ چشتیہ کے صوفیا کرام کا کردار نہایت اہم رہا ہے اور موجودہ دور میں بھی یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔

---

i جنرل رضا لائبریری رامپور، حسن عباس، سید پروفیسر، ڈائریکٹر رام پور رضا لائبریری، اشاعت: ۲۰۱۷ء، ص: ۱۹۴

ii شیخ محمد اکرم، آب کوثر، اشاعت: ۲۰۱۵ء، قاضی جاوید ناظم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ص: ۷۴

iii ایضاً، ص: 76

iviv اردو میں صوفیانہ شاعری، ڈاکٹر محمد طیب ابدالی شعبہ اردو و فارسی مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا۔ گیا، اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد، مئی ۱۹۸۴، ص: ۵۱

v مزہب و شاعری ڈاکٹر اعجاز حسین، ص: ۶۲

vi اردو میں صوفیانہ شاعری، ڈاکٹر محمد طیب ابدالی شعبہ اردو و فارسی مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا۔ گیا، اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد، مئی ۱۹۸۴، ص: ۵۱

vi مزہب و شاعری ڈاکٹر اعجاز حسین، ص: ۵۲

vii اردو میں صوفیانہ شاعری، ڈاکٹر محمد طیب ابدالی شعبہ اردو وفارسی مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا۔ گیا، اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد، مئی ۱۹۸۴، ص:۵۳

viii سیر الاولیاء سید مبارک بمعروف امیر خورد ص:۱۸۲۔۸۳ معدن المعانی حضرت شرف الدین یحیٰ منیری، ص:۲۰۳

ix اردو میں صوفیانہ شاعری، ڈاکٹر محمد طیب ابدالی شعبہ اردو وفارسی مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا۔ گیا، اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد، مئی ۱۹۸۴، ص:۵۴

x ضیاء القلوب، ملفوظ حضرت سید چرم پوش

xi مونس القلوب، اردو ترجمہ: مولانا ڈاکٹر محمد علی ارشد شرفی مدظلہ، مکتبہ شرف، خانقاہِ حضرت مخدوم جہاں شرف الدین احمد یحیٰ منیریؒ بہار شریف، مجلس ہشتم، ص:۷۹

xii اردو میں صوفیانہ شاعری، ڈاکٹر محمد طیب ابدالی شعبہ اردو وفارسی مگدھ یونیورسٹی۔ بودھ گیا۔ گیا، اسرار کریمی پریس۔ الہ آباد، مئی ۱۹۸۴، ص:۵۶

xiii اردو شاعری اور تصوف تاریخی و تنقیدی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی، مطبۃ ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد، مارچ ۲۰۰۹ء، ص:۲۵۵

xiv اردو شاعری اور تصوف تاریخی و تنقیدی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی، مطبۃ ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد، مارچ ۲۰۰۹ء، ص:۲۵۶

xv گنج الفقراء، ص:۲۷۔۲۸

xvi اردو شاعری اور تصوف تاریخی و تنقیدی جائزہ، پروفیسر ڈاکٹر عبد القادر غیاث الدین فاروقی، مطبۃ ابو الوفاء الافغانی جامعہ نظامیہ حیدرآباد، مارچ ۲۰۰۹ء، ص:۱۶۵

xvii عوارف المعارف، ص:۱۴۰

xviii مقدمہ تاریخ زبان اردو، مسعود حسین خان، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، بارہویں اشاعت: ۲۰۰۸، ص:۱۳۲

xix آب حیات، مولانا محمد حسین آزاد، نول کشور گیس پرنٹنگ ورکس لاہور، ۱۹۰۷ء، ص:۲۳۔۲۴

xx پنجاب میں اردو، حافظ محمود شیرانی، انجمن ترقی اردو، ہیوسٹن، ۱۹۴۱ء، ص:۲۳

xxi ڈاکٹر جمیل جالبی- تاریخ ادب اردو، ص:۶۱

xxii علی گڑھ تاریخ ادب اردو شعبہ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی۔ جلد اول ص ۱۳۷

xxiii تاریخ ادب اردو، ڈاکٹر جمیل جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی، ۱۹۸۹ء، ص:۱۵۱

xxiv اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1982، ص:۲۲-۲۳

xxv اردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام، ڈاکٹر مولوی عبد الحق، انجمن ترقی اردو (ہند)، دہلی، 1982، ص:۲۲-۲۳

xxvi ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ اردو نثر کا آغاز وارتقا، انیسویں صدی کے اوائل تک ص:۴۱۔۴۲

[xxvii] حکیم شمس اللہ قادری، اردوئے قدیم، منشی نول کشور، کانپور، 1927، ص:۳۴